حکمتِ اقبال (۵۵)

ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم

# خودی اور سوشلزم (۷)

## غلط فہمی کا قدرتی سدِّباب

ایک بڑے مفکر شاعر کی وفات کے بعد بعض وقت ایسا ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ اپنی فکری اور نظریاتی اغراض کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اس کے بعض الفاظ کو اس کے سارے فکر سے الگ کر کے اور اس کے اسلوبِ بیان کے اشاروں کو نظر انداز کر کے دیکھنے لگیں اور اس طرح ان الفاظ میں جو ظاہری اور غیر حقیقی تضاد سا نظر آتا ہو اسے بہانہ بنا کر اس کی واضح تعلیمات کو اپنے خیالات کی حمایت میں پیش کرنے لگ جائیں، اور پھر یہ بحث چل نکلے کہ فلاں مسئلہ کے متعلق اس نے کیا کہا تھا یا جو کچھ کہا تھا اس کا مطلب کیا تھا۔ قدرتی بات ہے کہ ایسے وقت ہی اس کے چاہنے والے تمنا کریں گے کہ کاش وہ زندہ ہوتا تو صاف اور قطعی الفاظ میں بتاتا کہ اس کا مطلب کیا تھا، لیکن اِس دنیا سے جانے کے بعد کون ہے جو پلیٹ کر آتا ہے۔ تاہم اقبال اور اس کے چاہنے والوں کی خوش قسمتی ہے کہ بعض لوگ اقبال کی زندگی میں ہی اشتراکیت کے متعلق اقبال کے اشعار کو اس بات کی دلیل کے طور پر پیش کرنے لگ گئے کہ اقبال سوشلسٹ خیالات کی طرف مائل ہے یا سوشلزم کو پسند کرتا ہے اور اقبال کو موقع مل گیا کہ وہ خود (ایک دفعہ نہیں بلکہ دو دفعہ، اور ایک دفعہ وفات سے تھوڑا عرصہ پہلے) اخباری بیانات کے ذریعہ سے ایسے لوگوں کی پرزور تردید کر کے اس بحث کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے۔ ان بیانات کے بعد اس بحث کو گولڈ سمتھ (Goldsmith) کے دیہاتی اسکول ماسٹر کی طرح جاری رکھنا اقبال کے ساتھ حد درجہ کی بے انصافی ہے۔

## کفر کے مترادف

اقبال نے ایڈیٹر 'زمیندار' کے نام ایک خط بغرضِ اشاعت بھیجا تھا جو اس اخبار کے ۲۴

جون ۱۹۲۳ء کے الیشوع (Issue) میں شائع ہوا تھا۔ وہ خط حسب ذیل ہے:

"مکرم بندہ جناب ایڈیٹر صاحب زمیندار۔ السّلام علیکم

میں نے ابھی ایک اور دوست سے سُنا ہے کہ کسی صاحب نے آپ کے اخبار میں یا کسی اور اخبار میں (میں نے اخبار ابھی تک نہیں دیکھا) میری طرف بالشویک خیالات منسُوب کیے ہیں۔ چونکہ بولشویک خیالات رکھنا میرے نزدیک دائرۂ اسلام سے خارج ہو جانے کے مترادف ہے اس واسطے اس تحریر کی تردید میرا فرض ہے۔

میں مسلمان ہوں۔ میرا عقیدہ ہے' اور یہ عقیدہ دلائل و براہین پر مبنی ہے کہ انسانی جماعتوں کے اقتصادی امراض کا بہترین علاج قرآن نے تجویز کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سرمایہ داری کی قوت جب حدِ اعتدال سے تجاوز کر جائے تو دنیا کے لیے ایک قسم کی لعنت ہے' لیکن دنیا کو اس کے مُضر اثرات سے نجات دلانے کا طریق یہ نہیں کہ معاشی نظام سے اس قوت کو خارج کر دیا جائے' جیساکہ بالشویک تجویز کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس قوت کو مناسب حدود کے اندر رکھنے کے لیے قانونِ میراث اور زکوٰۃ وغیرہ کا نظام تجویز کیا ہے' اور فطرتِ انسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہی طریق قابل عمل بھی ہے۔ روسی بالشوزم یورپ کی ناعاقبت اندیش اور خود غرض سرمایہ داری کے خلاف ایک زبردست ردِّ عمل ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغرب کی سرمایہ داری اور روسی بالشوزم دونوں افراط اور تفریط کا نتیجہ ہیں۔ اعتدال کی راہ وہی ہے جو قرآن نے ہم کو بتائی ہے اور جس کا میں نے اوپر اشارۃً ذکر کیا ہے۔ شریعتِ حقہ اسلامیہ کا مقصود یہ ہے کہ سرمایہ داری کی بناء پر ایک جماعت دوسری جماعت کو مغلوب نہ کر سکے۔ (اقبال کا یہ شعر اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے ؎

"کس نگردد در جہاں محتاجِ کس - نکتۂ شرعِ مبیں این است و بس" ' مصنف) اور اس مدّعا کے حصول کے لیے میرے عقیدے کی رُو سے وہی راہ آسان اور قابل عمل ہے جس کا انکشاف شارع علیہ السلام نے کیا ہے۔ اسلام سرمایہ کی قوت کو معاشی نظام سے خارج نہیں کرتا بلکہ فطرتِ انسانی پر ایک عمیق نظر ڈالتے ہوئے اسے قائم رکھتا ہے اور ہمارے لیے ایک ایسا نظام تجویز کرتا ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے یہ قوت کبھی اپنے مناسب حدود سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ مجھے افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کے اقتصادی پہلو کا مطالعہ نہیں کیا' ورنہ ان کو معلوم ہوتا کہ اس خاص اعتبار سے اسلام

کتنی بڑی نعمت ہے۔ میرا عقیدہ ہے فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا میں اسی نعمت کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ کسی قوم کے افراد صحیح معنوں میں ایک دوسرے کے بھائی نہیں بن سکتے جب تک کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مساوات نہ رکھتے ہوں اور اس مساوات کا حصول بغیر ایک ایسے سوشل نظام کے ممکن نہیں جس کا مقصود سرمایہ کی قوت کو مناسب حدود کے اندر رکھ کر مذکورہ بالا مساوات کی تخلیق و تولید ہو۔ اور مجھے یقین ہے کہ خود روسی قوم بھی اپنے موجودہ نظام کے نقائص تجربے سے معلوم کر کے کسی ایسے نظام کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو جائے گی جس کے اصولِ اساسی یا تو خالص اسلامی ہوں گے یا ان سے ملتے جلتے ہوں گے۔ موجودہ صورت میں روسیوں کا اقتصادی نصب العین خواہ کیسا ہی محمود کیوں نہ ہو، ان کے طریق عمل سے کسی مسلمان کو ہمدردی نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان اور دیگر ممالک کے مسلمان، جو یورپ کی پولٹیکل اکانومی پڑھ کر مغربی خیالات سے فوراً متاثر ہو جاتے ہیں، ان کے لیے لازم ہے کہ اس زمانے میں قرآن کریم کی اقتصادی تعلیم پر نظرِ غائر ڈالیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی تمام مشکلات کا حل اس کتاب میں پائیں گے۔ لاہور کی لیبر یونین کے مسلمان ممبر بالخصوص اس طرف توجہ کریں۔ مجھے ان کے اغراض و مقاصد کے ساتھ دلی ہمدردی ہے، مگر مجھے امید ہے کہ وہ کوئی ایسا طریق عمل یا نصب العین اختیار نہ کریں گے جو قرآنی تعلیم کے منافی ہو۔"

محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لاء۔ لاہور

یہ بات ظاہر ہے کہ اس خط میں بولشویک خیالات سے اقبال کی مراد وہی خیالات ہیں جو اقبال کے زمانہ سے لے کر اب تک روس کی سوویٹ سوشلسٹ ری پبلک میں ایک سیاسی قوت کے طور پر موجود ہیں اور جن کو سائنٹیفک سوشلزم کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اب دنیا بھر میں لفظ سوشلزم سے مراد کارل مارکس کا سائنٹیفک سوشلزم ہی ہوتا ہے اور کارل مارکس سے پہلے کا سوشلزم یا کسی اور قسم کا سوشلزم مراد نہیں ہوتا، اور یہی سبب ہے کہ اب دنیا کے جس ملک میں بھی سوشلزم موجود ہوتا ہے وہاں اس کے پیچھے یا اس کے ساتھ کارل مارکس کا فلسفہ بھی زود یا بدیر کسی نہ کسی رنگ میں ضرور موجود ہو جاتا ہے، اور اگر وہ ملک اسلامی ہو تو سوشلزم اسلام اور اس کے اقتصادی نظام کا حریف بن جاتا ہے اور اسلام کو دبانے اور مٹانے اور مارکس کے فلسفہ کو رواج دینے کی کوشش کرتا ہے۔

# سوشلزم اور تمام مغربی اِزموں سے اقبال کی نفرت

اس خط کے چودہ سال بعد اور اقبال کی وفات سے ایک سال پہلے آل احمد سرور نے اقبال سے کچھ استفسارات کیے تھے جن کے جواب میں اقبال نے اُن کے نام ایک خط لکھا تھا۔ اس خط پر ۱۴ مارچ ۱۹۳۷ء کی تاریخ درج ہے اور یہ خط اگست ۱۹۴۹ء کے رسالہ "ماہِ نو" میں چھپا تھا۔ اقبال اس خط میں لکھتا ہے:

"آپ کے دل میں جو باتیں پیدا ہوئی ہیں اُن کا جواب بہت طویل ہے اور میں بحالتِ موجودہ طویل خط لکھنے سے قاصر ہوں۔ اگر میں کبھی علی گڑھ حاضر ہوا یا آپ کبھی لاہور تشریف لائے تو انشاء اللہ زبانی گفتگو ہوگی۔ سرِ دست میں دو چار باتیں عرض کرتا ہوں۔

(۱) میرے نزدیک فاشزم، کمیونزم یا زمانہ حال کے اور ازم کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ میرے عقیدہ کی رُو سے صرف اسلام ہی ایک حقیقت ہے جو بنی نوعِ انسان کے لیے ہر نقطۂ نگاہ سے موجبِ نجات ہو سکتی ہے۔ میرے کلام پر ناقدانہ نظر ڈالنے سے پہلے حقائق اسلامیہ کا مطالعہ ضروری ہے۔ اگر آپ پورے غور اور توجہ سے یہ مطالعہ کریں تو ممکن ہے کہ آپ ان ہی نتائج تک پہنچیں جن تک میں پہنچا ہوں اور اس صورت میں آپ کے شکوک تمام کے تمام رفع ہو جائیں۔ یہ ممکن ہے کہ آپ کا View مجھ سے مختلف ہو یا آپ خود دینِ اسلام کے حقائق کو ہی ناقص تصور کریں۔ اس دوسری صورت میں دوستانہ بحث ہو سکتی ہے جس کا نتیجہ معلوم نہیں کیا ہے۔

(۲) آپ کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے میرے کلام کا بھی بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا۔ اگر میرا یہ کہنا صحیح ہے تو میں آپ کو یہ دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ اس طرف توجہ کریں، کیونکہ ایسا کرنے سے بہت سی باتیں خود بخود آپ کی سمجھ میں آجائیں گی۔ ۔ ۔ ۔

(۳) آپ یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو کے لیکچرار ہیں۔ اس واسطے مجھے یقین ہے کہ لٹریچر کے اسالیبِ بیان سے مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ تیمور کی روح کو اپیل کرنے سے تیموریت کا زندہ کرنا مقصود نہیں بلکہ وسطِ ایشیا کے ترکوں کو بیدار کرنا مقصود ہے۔ تیمور کی طرف اشارہ محض اسلوبِ بیان ہے۔ اسلوبِ بیان کو شاعر کا حقیقی View تصوّر کرنا کسی طرح درست نہیں۔ ایسے اسالیبِ بیان کی مثالیں دنیا کے ہر لٹریچر میں موجود ہیں۔ والسلام —— آپ کا مخلص "محمد اقبال"

## اسلام کا قانون رزق کا ضامن ہے

پھر قائداعظم کے نام اپنے ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کے خط میں اقبال لکھتا ہے:

"قانون اسلام کے طویل اور پرتوجہ مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس نظام قانون کو مناسب طور پر سمجھا اور برتا جائے تو کم از کم ہر شخص کے لیے رزق اور روزی کا حق حاصل کیا جا سکتا ہے۔"

ان تینوں خطوں سے ظاہر ہے کہ 'اسلامی سوشلزم' سے اقبال کی مراد وہی اسلامی اقتصادی مساوات ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عطا کیے ہوئے عطیے اسلام کو اور اس کے قوانین زکوٰۃ اور وراثت اور ممانعت سود و اکتناز اور احکام خیرات و مواسات و مساوات کو جاری کرنے سے وجود میں آتی ہے اور کسی بیرونی ازم کی نقل یا خوشہ چینی یا پیوند کاری سے اس کو دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔ اس اسلامی مساوات کو وہ استعارۃً اسلامی سوشلزم کہتا ہے۔ جیسے کہ کوئی شخص کسی بہادر آدمی کو اس کی بہادری کی وجہ سے شیر کہہ دے، بغیر اس کے کہ وہ آدمی شیر کی طرح کی کھال یا دُم یا شیر کی طرح کے دانت یا پنجے رکھتا ہو یا آدھا شیر اور آدھا انسان ہو۔ اقبال کو معلوم نہیں تھا کہ بعض لوگ اس کے استعارہ کو حقیقت کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور اگر وہ کسی انسان کو شیر کہے گا تو اسے نادانی سے سچ مچ شیر کی کھال اور دم اور شیر کے پنجے اور دانت پہنا کر پایۂ انسانیت سے گرانے کی کوشش کریں گے۔ اگر اقبال کی زندگی میں کوئی مسلمان اسے پوچھتا کہ کیا ہم اپنے نظریۂ حیات کا نام اسلام کی بجائے اسلامی سوشلزم رکھ لیں تو اسے معلوم ہو جاتا کہ اقبال کے غیظ و غضب کی کیفیت اور سوال پوچھنے والے کی ایمانی حالت کے متعلق اس کی رائے کیا ہوتی ہے۔

## کچھ غلط فہمیاں

ہمارے جو بھائی سوشلسٹ کہلاتے ہیں، یہ سمجھتے ہیں کہ روس میں جو نظام کارل مارکس کے بے خدا فلسفہ پر قائم کیا گیا ہے وہ کمیونزم ہے جس سے ان کا کوئی تعلق نہیں، حالانکہ روس میں جو نظام اس وقت رائج ہے وہ سوشلزم ہے، کمیونزم نہیں۔ کمیونزم سوشلزم کی انتہائی ترقی یافتہ صورت ہے جو ابھی تک روس میں ظہور پذیر نہیں ہو سکی لیکن بعض وقت لوگ سوشلزم کو ہی اس کے عزائم اور مقاصد کے پیش نظر

کمیونزم کہتے ہیں اور بعض وقت کمیونزم کو اُس کی ابتدائی عملی صورت کو ذہن میں رکھتے ہوئے سوشلزم کا نام دیتے ہیں، لہٰذا دونوں میں کوئی زیادہ فرق نہیں۔ فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ کمیونزم کا مقصد یہ تھا کہ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق کام کرے، لیکن جو دولت اس طرح سے پیدا ہوگی وہ سب افراد کی مشترکہ ملکیت ہوگی اور کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکے گا کہ میں نے زیادہ کام کیا تھا اس لیے میں زیادہ لوں گا، بلکہ ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق دیا جائے گا، خواہ یہ ضرورت اس کے کام سے کم ہو یا زیادہ۔ لیکن جب روس میں دنیا کی پہلی اشتراکی ریاست وجود میں آئی تو یہ دیکھا گیا کہ یہ اصول فی الحال قابل عمل نہیں کیونکہ ابھی اخوت اور مساوات کی وہ رُوح موجود نہیں جو اسے قابلِ عمل بنا سکتی ہے اور توقع یہ کی گئی کہ یہ رُوح رفتہ رفتہ خود بخود پیدا ہو جائے گی۔ لہٰذا یہ فیصلہ کیا گیا کہ فی الحال ہر شخص کو اس کے کام کے مطابق دیا جائے اور اپنی سوسائٹی کو کمیونسٹ نہیں بلکہ سوشلسٹ سوسائٹی کہا جائے۔ یہی سبب ہے کہ روس کی حکومت کو یونین آف سوویٹ سوشلسٹ ری پبلک کہا جاتا ہے۔ روس کی اشتراکی ریاست کے وجود میں آنے سے پہلے بھی کارل مارکس کو سوشلسٹ فلاسفر اور اس کے فلسفہ کو سائنٹیفک سوشلزم کہا جاتا تھا اور اب بھی یہی کہا جاتا ہے۔

خود روس کے سارے لوگ اپنے ملک کے رائج الوقت نظام کو سوشلزم کہتے ہیں۔ ۲۱ اگست ۱۹۶۸ء کو روس نے چیکوسلواکیہ پر جو حملہ کیا تھا اس کی مذمت کرتے ہوتے ماسکو کے سولہ دانشوروں نے ۲۱ اگست ۱۹۶۹ء کو ایک بیان جاری کیا جو ۲۲ اگست ۱۹۶۹ء کے 'پاکستان ٹائمز' کی ایک خبر میں شائع ہوا ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے ملک کے نظام کے لیے کمیونزم نہیں بلکہ سوشلزم کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ذیل میں اس خبر کے ایک اقتباس کا ترجمہ درج ہے:

> "ماسکو۔ ۲۱ اگست۔ ماسکو کے دانشوروں کے ایک اختلافی گروہ کے سولہ ارکین نے کل گزشتہ اگست کے چیکوسلواکیہ کے وارسا پیکٹ والے حملہ کی مذمت کی ہے اور کہا ہے کہ اس سے سوشلزم کا مستقبل خطرہ میں پڑ گیا تھا۔ ان کے بیان میں کہا گیا ہے کہ اس حملے کا مقصد چیکوسلواکیہ میں ایک بڑھتی اور پھولتی ہوتی جمہوریت کو ختم کرنا تھا۔ اس افسوسناک سالانہ تقریب پر ہم اعلان کرتے ہیں کہ پہلے کی طرح ہم پھر اس فیصلہ کی مخالفت کرتے ہیں جس نے سوشلزم کے مستقبل کو خطرے میں ڈال دیا تھا" (پاکستان ٹائمز، ۲۲ اگست ۱۹۶۹ء)

پھر ہمارے اسلامی سوشلسٹ بھائی سمجھتے ہیں کہ اسلامی سوشلزم سے اُن کی مُراد اسلام ہی ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر اُن کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ اُن میں سے بعض کو لفظ سوشلزم پر، سُرخ جھنڈے پر اور سوشلزم کے اخلاقی ضابطہ پر (جس کی رُو سے سوشلسٹ انقلاب کو برپا کرنے کے لیے ایسے اشغال اور اعمال بھی جائز بلکہ ضروری ہیں جو اسلام کے نزدیک سخت ممنوع ہیں) اصرار کیوں ہے؟ بالخصوص جب کہ اس اصرار کی وجہ سے ان کے متعلق بدظنی پیدا ہوتی ہے ان کی ہردلعزیزی میں فرق آتا ہے اور قوم کی وحدت پارہ پارہ ہوتی ہے، کیونکہ جہاں تک نیشنلائزیشن کا تعلق ہے اسلام میں کوئی بات اس کے خلاف نہیں اور اگر تمام اسلامی تدابیر اختیار کرنے کے بعد بھی عدل اور عبادت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے بعض صنعتی اداروں کو قومیانے کی ضرورت محسوس کی جائے تو یقیناً پاکستان کے مسلمانوں کی اکثریت اس سے، سوشلزم کے ایک تقاضا کے طور پر ہرگز نہیں بلکہ اسلام کے ایک تقاضا کے طور پر، اتفاق کر سکتی ہے پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر اسلامی سوشلزم سے اُن کی مُراد اسلام ہی ہے تو وہ اسلام کی تعلیمات کے صرف ایک پہلو یعنی معاشی عدل پر ہی کیوں زور دیتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ہمارے اسلامی معاشرے کی خرابیوں کو مثلاً فسق و فجور کو جھوٹ اور فریب کاری کو ترکِ نماز کی عادت کو اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی کمی کو دُور کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ اور معاشی عدل پر زور دیتے ہوئے بھی وہ معاشی ناہمواریوں کو دور کرنے والے اسلامی احکام مثلاً زکوٰۃ اور ممانعت سود وغیرہ کو کیوں بروئے کار لانا نہیں چاہتے؟ ان باتوں سے اگر دوسرے مسلمانوں کو یہ شک ہو کہ اسلامی سوشلزم سے اُن کی مراد اسلام نہیں بلکہ سوشلزم ہے تو اس میں اُن کا کوئی زیادہ قصور نہ ہوگا۔ (جاری ہے)

## عقائدِ آخرت

آخرت ایک جامع لفظ ہے جس کا اطلاق بہت سے عقائد کے مجموعے پر ہوتا ہے۔ اس میں حسب ذیل عقائد شامل ہیں:

۱۔ یہ کہ انسان اس دُنیا میں غیر ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اپنے تمام اعمال کے لیے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔

۲۔ یہ کہ دُنیا کا نظام ابدی نہیں ہے بلکہ ایک وقت پر جسے صرف خدا ہی جانتا ہے اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔

۳۔ یہ کہ اس عالم کے خاتمے کے بعد خدا ایک دوسرا عالم بنائے گا اور اس میں پوری نوعِ انسانی کو جو ابتدائے آفرینش سے قیامت تک زمین پر پیدا ہوئی تھی، بیک وقت دوبارہ پیدا کرے گا اور سب کو جمع کر کے اُن کے اعمال کا حساب لے گا اور ہر ایک کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

۴۔ یہ کہ خدا کے اس فیصلے کی رُو سے جو لوگ نیک قرار پائیں گے وہ جنت میں جائیں گے اور جو لوگ بد ٹھہریں گے وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔